بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرف آغاز

اسلامی ریاست میں

غیر مسلموں پر اسلامی قانون کا نفاذ کس حد تک ہوگا؟

——— سید جلال الدین عمری

رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے بعد یہود کے مختلف قبائل سے، جو مدینہ کے اطراف میں آباد تھے، معاہدہ فرمایا تھا۔ اس معاہدہ کی رُو سے انہیں داخلی طور پر اپنے معاملات طے کرنے اور اپنے دین و مذہب پر عمل کرنے کی آزادی حاصل تھی، البتہ ریاست کے دفاع اور اس کے تحفظ میں وہ مسلمانوں کے ساتھ شریک تھے[۱] اس لحاظ سے وہ اسلامی ریاست مدینہ کا ایک حصہ بھی تھے اور ان کی جداگانہ حیثیت بھی تھی۔ اس وجہ سے بعض حضرات نے یہودی آبادی کو ایک الگ آزاد ریاست قرار دیا ہے، اس کے لیے وہ 'دارالحرب' (غیر اسلامی ریاست) کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں، جس کا دارالاسلام سے معاہدۂ امن تھا۔ بعض دوسرے اصحابِ علم نے یہودیوں کو ایک ہی اسٹیٹ کے اندر پائی جانے والی آزاد قوم کی حیثیت دی ہے۔ گویا اس کی حیثیت ریاست کے اندر ریاست کی تھی۔ اس موضوع سے متعلق آیات کی تشریح اور احکام کے بیان میں ان دونوں رایوں کا اظہار ہوتا ہے۔

اس سے دوسوال پیدا ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ اسلامی ریاست کا کسی غیر

---

[۱] ملاحظہ ہو راقم کی کتاب 'غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے حقوق' طبع دوم ص: ۲۷۱۔۲۷۳، مطبوعہ ادارۂ تحقیق و تصنیفِ اسلامی، علی گڑھ

اسلامی ریاست سے معاہدۂ امن یا معاہدۂ صلح ہو اور وہ اپنے کسی (مذہبی) معاملہ میں اسلامی ریاست کی طرف رجوع کرے اور اس کا فیصلہ چاہے تو اس کے لیے فیصلہ کرنا ضروری ہے، یا وہ اس میں دخل دینے سے انکار بھی کرسکتی ہے؟ اگر فیصلہ کرے تو کیا اس ریاست کے (مذہبی) قانون کے تحت فیصلہ کرے گی یا اسلامی قانون کے تحت فیصلہ سنائے گی؟

دوسرے یہ کہ جو غیر مسلم اسلامی ریاست کے شہری ہیں کیا ان پر بھی اسلامی قانون پوری طرح نافذ ہوگا، یا وہ اپنے مذہبی امور میں آزاد ہوں گے؟ آزاد ہوں گے تو کس حد تک؟

آئندہ صفحات میں ان دونوں پہلوؤں سے متعلق اسلامی نقطۂ نظر جاننے کی کوشش کی جائے گی۔

اہلِ صلح کے نزاعات کا فیصلہ لازم نہیں ہے

یہود توریت پر ایمان کے دعوے دار تھے۔ وہ اپنے معاملات اس کے مطابق طے کرسکتے تھے، لیکن اس کا کوئی حکم ان پر شاق گزرتا اور وہ اس سے بچنا چاہتے تو اس کی ایک تدبیر یہ اختیار کرتے کہ رسول اللہ ﷺ سے فیصلہ کے طالب ہوتے۔ مقصد یہ ہوتا کہ توریت کے قانون کے مقابلے میں اس میں آسانی ہو تو اسے اختیار کرلیا جائے، ورنہ رد کردیا جائے۔ اس سلسلہ میں حکم ہوا:

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْئًا وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ اِنَّ اللّٰهَ	(احبار و رہبان کے) جھوٹ کو کان لگا کر سننے والے اور بری طرح حرام کھانے والے، اگر یہ تمہارے پاس آئیں تو تمہیں اختیار ہے کہ ان کے درمیان فیصلہ کرو یا ان سے اعراض کرو۔ اگر تم ان سے اعراض کرلو

یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ (المائدۃ:۴۲)

تو تمھیں یہ نقصان نہیں پہنچا سکتے اور اگر فیصلہ کرو تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی ریاست کا کسی غیر اسلامی ریاست سے معاہدۂ امن وصلح ہو تو اسلامی ریاست اس کے معاملات میں دخل نہیں دے گی، لیکن وہ اپنے کسی معاملہ میں اسلامی ریاست کی طرف رجوع کرے تو اسلامی ریاست کو فیصلہ کرنے اور نہ کرنے کا اختیار ہے۔ اپنے حالات اور مصالح کے تحت وہ مقدمہ کا فیصلہ کر بھی سکتی ہے اور اس سے انکار کا بھی اسے اختیار ہے، لیکن جب بھی فیصلہ کرے گی، حق وانصاف کے مطابق کرے گی۔ اس سلسلے میں آگے چل کر فرمایا:

وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الْکِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقاً لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ الْکِتَابِ وَمُهَیْمِناً عَلَیْهِ فَاحْکُمْ بَیْنَهُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاءَ هُمْ عَمَّا جَاءَکَ مِنَ الْحَقِّ لِکُلٍّ جَعَلْنَا مِنْکُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجاً .... (المائدۃ:۴۸)

اور ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ نازل کی ہے جو سابقہ کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ان کی نگہبان اور محافظ ہے۔ پس آپ ان کے درمیان اس کتاب کے مطابق فیصلہ کیجیے جو اللہ نے نازل کی ہے اور جو حق آپ کے پاس آیا ہے اسے چھوڑ کر ان کی خواہشات کی پیروی نہ کیجیے۔ ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک شریعت اور طریقہ رکھا ہے۔

مزید تاکید کے ساتھ فرمایا:

وَاَنِ احْکُمْ بَیْنَهُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاءَ هُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ یَّفْتِنُوکَ عَنْ بَعْضِ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَیْکَ .... (المائدۃ:۴۹)

اور فیصلہ کرو ان کے درمیان اس کتاب کے مطابق جو اللہ نے نازل کی ہے اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو اور ان سے بچے رہو کہ اللہ نے جو دین تم پر نازل کیا ہے کہیں اس کے کسی حکم سے وہ تمہیں پھیر نہ دیں۔

ان آیات میں کہا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پہلے یہود و نصاریٰ کو ان کے مناسب حال شریعتیں دی گئی تھیں اور ان پر عمل کا انہیں پابند بنایا گیا تھا۔ اسی طرح ہر قوم کے لیے الگ شریعت رہی ہے۔ آخر میں اللہ تعالیٰ نے آپ پر یہ کتاب نازل کی ہے۔ یہ دوسری آسمانی کتابوں کی نگراں اور محافظ ہے جو بتاتی ہے کہ ان کتابوں اور شریعتوں میں کیا تحریف اور ترمیم ہوئی ہے اور کس طرح اللہ کے احکام کو بدلا گیا ہے۔ اس کا کتنا حصہ محفوظ اور کتنا غیر محفوظ ہے۔ اس کتاب کے آنے کے بعد سابقہ تمام شریعتیں منسوخ ہوگئیں، اب آپ کسی دوسری ہدایت یا دوسری شریعت کے پابند نہیں ہیں، آپ تمام معاملات کا فیصلہ اس کتاب کے مطابق کریں۔

بعض حضرات نے کہا ہے کہ ان آیات کے ذریعہ آیت ۴۲: کا حکم منسوخ ہوگیا، جس میں آپ کو فیصلہ کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دیا گیا تھا۔ اب آپ کے لیے ان کے مقدمات کا فیصلہ کرنا لازم ہے لیکن یہ خیال درست نہیں معلوم ہوتا، اس لیے کہ یہ ایک ہی سلسلۂ بیان ہے۔ اس میں بعض آیات کو ناسخ اور بعض کو منسوخ قرار دینے کا کوئی مضبوط قرینہ نہیں ہے۔ ان دونوں آیات میں غیر مسلموں کے دو الگ طبقات کا ذکر ہے۔ اس کی وضاحت بعض دوسرے اہلِ علم نے اس طرح کی ہے کہ آیت: ۴۲ اہلِ صلح یا اہلِ موادعہ سے متعلق ہے۔ ان کے معاملات آپ کے سامنے آئیں تو آپ کو فیصلہ کرنے اور نہ کرنے کا اختیار تھا، لیکن بعد کی آیات ذمیوں سے متعلق ہیں۔ ان کے معاملات کا فیصلہ کرنا آپ کے لیے لازم تھا، علامہ ابوبکر جصاص حنفیؒ کہتے ہیں:

''ان آیات میں ناسخ و منسوخ ماننے کی ضرورت نہیں ہے، جس آیت میں آپ کو فیصلہ کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے اس کا تعلق ان لوگوں سے ہے جو اسلامی ریاست کے شہری نہیں ہیں۔ اسلامی ریاست کی اگر دارالحرب سے صلح ہے اور وہ کسی معاملہ میں اسلامی ریاست کا فیصلہ چاہے تو وہ (اپنے مصالح کے پیشِ نظر) فیصلہ کر بھی سکتی ہے اور یہ بھی کہہ سکتی ہے کہ وہ اپنے قوانین کے تحت خود فیصلہ کرلیں، لیکن جو

لوگ اسلامی ریاست کے ذمی ہیں وہ بہر حال اسلامی قوانین کے پابند ہوں گے''۔[۱]

علامہ قرطبیؒ کہتے ہیں:

''یہود اہلِ صلح تھے، ذمی نہیں تھے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو ان سے صلح کی تھی، ہمارے لیے کفار (غیر مسلموں) کے درمیان فیصلہ کرنا، اگر وہ ذمی نہیں ہیں تو واجب نہیں ہے، البتہ ہم چاہیں تو فیصلہ کر سکتے ہیں''۔[۲]

امام رازیؒ کہتے ہیں:

''اسلامی ریاست کا کسی غیر اسلامی ریاست سے خاص مدت کے لیے معاہدہ ہو تو ریاست کے حاکم کے لیے لازم نہیں ہے کہ معاہد قوم کے معاملات میں فیصلہ کرے۔ اسی اختیار کا آیت: ۴۲ میں ذکر ہے جو معاہد قوم کے ساتھ مخصوص ہے''۔[۳]

ابو حیان اندلسیؒ کہتے ہیں:

''امام شافعی کی رائے یہ ہے کہ ذمی اگر اپنا مقدمہ مسلمان حاکم کے پاس لائیں تو فیصلہ کرنا واجب ہے۔ باقی رہے معاہد جن کا مسلمانوں کے ساتھ خاص مدت کے لیے معاہدہ ہو، ان کے معاملات کا فیصلہ کرنا ضروری نہیں ہے۔ ان کے سلسلے میں حاکم کو فیصلے کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہوگا۔ اسی اختیار کا آیت ۴۲ میں ذکر ہے۔ یہ معاہدین کے ساتھ مخصوص ہے''۔[۴]

علامہ رشید رضا مصریؒ کہتے ہیں:

''ان آیات کا سلسلۂ کلام ایک ہے۔ ان میں کسی کو ناسخ اور کسی کو منسوخ ماننا

---

۱ جصاص کے الفاظ ہیں۔ التخییر فی أهل العهد الذین لاذمة لهم ولم یجر علیهم أحکام المسلمین کأهل الحرب إذا هادنّاهم وإیجاب الحکم بما أنزل الله فی أهل الذمة الذین یجری علیهم أحکام المسلمین۔جصاص، احکام القرآن: ۵۴۳/۲۔ دار الکتب العلمیة بیروت لبنان ۱۹۹۴ء

۲ قرطبی، الجامع لأحکام القرآن: ج ۳، جزء ۶، ص: ۱۲۰، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان ۱۹۸۸ء

۳ رازی، مفاتیح الغیب (تفسیر کبیر) ج ۶، جزء ۱۱، ص: ۱۸۶، طبع دار الکتب العلمیة بیروت لبنان ۱۹۹۰ء

۴ ابو حیان، البحر المحیط، ۵۰۲/۳، دار الکتب العلمیة، بیروت لبنان، ۱۹۹۳ء

صحیح نہیں ہے۔آیت کے ذیل میں راجح قول یہی ہے کہ حاکم کو فیصلے کا اختیار معاہدین کے سلسلے میں حاصل ہے، ذمیوں کے سلسلے میں نہیں ہے۔اس لحاظ سے مسلمان حکام کے لیے ان اجنبیوں کے معاملات میں فیصلہ کرنا، جو ملک میں موجود (یا اس کے شہری) نہیں ہیں،ضروری نہیں ہے، لیکن اہل ذمہ ہماری طرف رجوع کریں تو ان کے معاملات کا فیصلہ کرنا لازم ہے''[۱]

ذمیوں کے درمیان فیصلہ کرنا لازم ہے:

اس سے واضح ہے کہ اس بحث کا تعلق اہلِ صلح یا اہلِ موادعہ سے ہے، وہ اگر کسی معاملہ میں اسلامی ریاست کی طرف رجوع کریں تو ضروری نہیں کہ اسلامی ریاست اس کا فیصلہ کرے۔حالات کے لحاظ سے اسے فیصلہ کرنے اور نہ کرنے کا اختیار حاصل رہے گا۔ذمیوں کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔وہ اسلامی ریاست کے شہری ہیں۔وہ اگر ایک دوسرے کے حقوق تلف کریں اور ظلم و زیادتی کا ارتکاب کریں یا فریقین میں سے ایک مسلمان اور دوسرا ذمی ہوتو اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ ان کے درمیان عدل وانصاف کے مطابق فیصلہ کرے۔قاضی بیضاویؒ کہتے ہیں:

''اگر قاضی کے سامنے دو ذمیوں کا مقدمہ پیش ہو یا ان میں کا ایک ذمی اور دوسرا مسلمان ہوتو صحیح بات یہ ہے کہ اس کا فیصلہ کرنا واجب ہے۔کیوں کہ ہم نے اپنے اوپر لازم کر رکھا ہے کہ ذمیوں کا دفاع کریں گے اور ان پر ظلم ہوتو اسے دور کریں گے۔آیت ۴۲،جس میں فیصلہ کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے،اس کا تعلق ذمیوں سے نہیں ہے''[۲]

علماء نے لکھا ہے کہ اگر مقدمہ مسلمان اور ذمی کا ہوتو اسلامی ریاست کے لیے اس کا فیصلہ کرنا واجب ہے۔علامہ بغویؒ کہتے ہیں:

''اس امر میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اگر ہمارے سامنے مسلمان اور ذمی کا

---

[۱] رشید رضا،تفسیر المنار، ۳۴۹/۶، دار المعرفۃ، بیروت لبنان،۱۹۹۳ء

[۲] بیضاوی، انوار التنزیل واسرار التاویل: ۲۶۷/۱، دار الکتب العلمیۃ، بیروت لبنان ۱۹۸۸ء

مقدمہ پیش ہو تو ان کے درمیان فیصلہ کرنا واجب ہے، اس لیے کہ مسلمان کے لیے اہل ذمہ کے فیصلے کا قبول کرنا جائز نہیں ہے''[1]

علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ نے صراحت کی ہے:

واذا تحاكم مسلم و ذمي وجب الحكم بينهم بغير خلاف لأنه يجب دفع ظلم كل أحد منهما عن صاحبه .[2]	مسلمان اور ذمی فیصلے کے لیے آئیں تو ان کے درمیان فیصلہ کرنا واجب ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس لیے کہ ان میں سے جو بھی کسی پر ظلم کرے اسے دفع کرنا واجب ہے۔

یہ بات طے ہے کہ اسلامی عدالت جو فیصلہ کرے گی وہ اسلامی شریعت کے مطابق کرے گی۔ کسی دوسرے مذہبی یا ملکی اور ملّی قانون کا اتباع اس کے لیے جائز نہیں ہے۔

قرآن مجید نے اس ذیل میں صراحت کردی ہے۔

وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَاتَتَّبِعْ اَهْوَاءَهُمْ (المائدۃ:۴۹)	فیصلہ کرو ان کے درمیان اس قانون کے مطابق جو اللہ نے نازل کیا ہے اور ان کی خواہشات کی اتباع نہ کرو۔

علامہ ماوردیؒ ان علماء میں ہیں جن کا خیال ہے کہ المائدۃ آیت ۴۲ میں اہل کتاب کے مقدمات کا فیصلہ کرنے یا نہ کرنے کا جو اختیار دیا گیا تھا وہ اس آیت کے ذریعہ ختم ہوگیا۔ فرماتے ہیں: اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مقدمات ہم اپنے قانونِ شرع کے مطابق کریں گے:

هذا يدل علىٰ وجوب الحكم بين أهل الكتاب إذا تحاكموا إلينا	یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اہل کتاب اگر ہماری طرف رجوع کریں تو ان کے

---

[1] بغوی، معالم التنزیل علیٰ ہامش الخازن: ۲/۴۷۲، دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان ۱۹۹۵ء

[2] ابن قدامۃ، المغنی: ۱۲/۳۸۳۔ مطبع ہجر قاہرہ، طبع دوم، ۱۹۹۲ء

وان لانحکم بینھم بتوراتھم ولا بانجیلھم۔۱

درمیان فیصلہ کرنا واجب ہے اور یہ کہ ہم ان کے توریت اور انجیل کے مطابق فیصلہ نہیں کریں گے۔

علامہ ابن کثیرؒ اس حکم کو اہل کتاب کے ساتھ مخصوص نہیں سمجھتے، بلکہ اسے وسیع معنی میں لیتے ہیں۔ کہتے ہیں:

أی فاحکم بینھم یا محمد بین الناس عربھم وعجمھم وأمّیھم وکتابیھم بما أنزل اللہ إلیک فی ھذا الکتاب العظیم وبماقرّرہ لک من حکم ماکان من قبلک من الأنبیاء ولم ینسخہ فی شرعک.

آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے محمد ﷺ آپ لوگوں کے درمیان چاہے وہ عرب ہوں یا عجم، امّی (ناخواندہ) ہوں یا اہل کتاب، فیصلہ اس کتاب عظیم کے مطابق کیجیے جو اللہ نے آپ پر نازل کی ہے اور جو آپ سے پہلے کے انبیاء ہیں ان کی ان تعلیمات کے مطابق کیجیے جنہیں اللہ نے آپ کی شریعت میں باقی رکھا ہے اور منسوخ نہیں کیا ہے۔

ابن کثیرؒ کہتے ہیں کہ آیت کی یہی توجیہ امام طبریؒ نے کی ہے۔۲

حقیقت یہ ہے کہ اسلامی ریاست کی اساس اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت ہے۔ وہ اس کے خلاف کوئی فیصلہ نہیں کرسکتی۔ چناں چہ ان ہی آیات کے ذیل میں کہا گیا ہے کہ جو لوگ اللہ کی کتاب اور اس کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہ کافر ہیں (آیت:۴۵) ظالم ہیں (آیت:۴۶) اور فاسق ہیں (آیت: ۴۷) ان آیات میں براہ راست اہل کتاب کو تنبیہ اور توبیخ کی گئی ہے، لیکن اس میں اہل ایمان کے لیے بھی ہدایت ہے کہ وہ اپنے فیصلوں میں اسلامی قانون سے انحراف نہ کریں اور اس کے تابع رہیں۔

---

۱ ماوردی، النکت والعیون: ۱/۴۷۱، مطابع مقھوی الکویت، طبع اول ۱۹۸۲ء

۲ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم: ۱/۶۶، دار احیاء التراث العربی، بیروت لبنان ۱۹۶۹ء

ذمیوں پر اسلامی قانون کا کس حد تک نفاذ ہوگا؟

ذمیوں کے متعلق ایک اہم سوال یہ ہے کہ وہ اسلامی ریاست میں اسلامی قانون کے ہر معاملہ میں پابند ہوں گے یا انہیں کسی دائرے میں اپنے معاملات طے کرنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی آزادی حاصل ہوگی؟

ذمی اپنے پرسنل لا پر عمل میں آزاد ہوں گے:

اس معاملہ میں اسلامی قانون یہ ہے کہ ذمی اپنے مذہب پر عمل کے لیے آزاد ہیں۔ وہ عبادت گاہیں اپنی آبادیوں میں تعمیر کر سکتے ہیں اور انہیں آباد رکھ سکتے ہیں۔[۱]

جہاں تک ان کے نکاح، طلاق، وراثت وغیرہ عائلی قوانین، جنہیں پرسنل لاء کہا جاتا ہے، کا تعلق ہے، اس میں وہ آزاد ہوں گے۔ البتہ اسلامی عدالت سے وہ کوئی فیصلہ کرانا چاہیں تو وہ اسلامی قانون کے تحت فیصلہ کرے گی، ان کے قانون کی اتباع نہ کرے گی۔ اس موضوع پر علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ نے تفصیل سے بحث کی ہے۔ اس کے نکات یہاں پیش کیے جا رہے ہیں:

۱۔ اسلام کے نکاح وطلاق کے قوانین، اگر وہ چاہیں تو ان کے لیے بھی ہوں گے، جیسے طلاق، ظہار، ایلاء، مہر کا وجوب، بیویوں کے پاس شب باشی کی مساوی تقسیم، مطلقہ عورت کے سابق شوہر کے لیے حلال ہونے کی شرعی صورت، احصان، (آدمی کا شادی شدہ ہونا) وغیرہ۔ اسی طرح جو رشتے مسلمانوں کے لیے حرام ہیں وہ ان کے لیے بھی حرام ہوں گے۔

۲۔ ان کے جو نکاح اسلامی شریعت کے لحاظ سے ناجائز اور حرام چلے آرہے ہیں ان سے تعرض نہیں کیا جائے گا۔ ہم انہیں دو شرطوں کے ساتھ باقی رکھیں گے: ایک یہ کہ وہ اس معاملہ میں ہماری طرف رجوع نہ کریں، ورنہ ہم اپنے قانون کے تحت فیصلہ کریں گے، دوسری شرط یہ کہ وہ نکاح خود ان کے مذہب اور عقیدے کے لحاظ

---

[۱] تفصیل کے لیے دیکھی جائے راقم کی کتاب 'غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے حقوق'

سے جائز ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے ہجر کے مجوس سے جزیہ لیا، لیکن ان کے نکاح اور ازدواجی قوانین سے تعرض نہیں کیا، جب کہ یہ بات معلوم تھی کہ وہ اسلامی نقطۂ نظر سے محرمات سے نکاح کو جائز سمجھتے ہیں۔[۱]

یہی بات علامہ ابن قیمؒ نے اُحکام اَہل الذمہ میں کہی ہے۔[۲]

اس کا مطلب یہ ہے کہ ذمی اپنے عائلی مسائل کا فیصلہ اسلامی ریاست سے کرانا چاہیں تو وہ اسلامی قانون کے تحت فیصلہ کرے گی، لیکن اگر وہ ان معاملات میں اس کی طرف رجوع نہ کریں اور اپنے مذہبی قوانین پر عمل کرنا اور اس کے مطابق فیصلہ کرنا چاہیں تو انہیں اس کا حق حاصل رہے گا۔ امام زہریؒ کہتے ہیں۔

مضت السنة أن يرد أهل الكتاب في حقوقهم ومواريثهم إلىٰ أهل دينهم إلا أن ياتوا راغبين في حكم الله فيحكم بينهم بكتاب الله۔[۳]

سنت یہ رہی ہے کہ اہل کتاب کو ان کے حقوق اور وراثت کے معاملہ میں ان کے مذہبی ذمہ داروں کی طرف لوٹا دیا جائے گا (کہ وہ ان کے فیصلوں پر عمل کریں) لیکن اگر وہ اللہ کے حکم کے تحت فیصلہ کے لیے ہمارے پاس بخوشی آئیں تو اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔

۳۔ قرض یا لین دین کے معاملات میں اسلامی قانون کے تحت ان کے نزاعات کا فیصلہ لازماً کیا جائے گا اس لیے کہ ظلم اور فساد کو ختم کرنے کے لیے یہ ضروری ہے۔[۴]

۴۔ انہیں معاشرہ میں فساد پھیلانے کی اجازت نہ ہوگی۔ اس کے لیے اسلامی قانون کے وہ پابند ہوں گے، ان سے ہمارا معاہدہ یہ نہیں ہے کہ وہ فساد پھیلا سکتے

۱۔ ابن قدامہ، المغنی: ۱۰/۳۳۳

۲۔ ابن قیم، احکام اہل الذمۃ: ۲/۶۴۔ مطبع مادی سعودی عرب ۱۹۹۷ء

۳۔ قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، جلد ۳، جزء ۶، ص: ۱۲۱

۴۔ حوالۂ سابق

ہیں، فساد چاہے وہ کریں یا کوئی اور، اسے ختم کرنا بہر حال ضروری ہے، اس سے (خود) ان کے جان و مال محفوظ ہوں گے۔ اگر ان کے مذہب میں اس کی اجازت ہو تو بھی اسلامی ریاست اس کی اجازت نہ دے گی، اسی وجہ سے ہم انہیں برسرِ عام شراب کا کاروبار کرنے یا زنا اور بدکاری پھیلانے سے منع کریں گے، ورنہ عام مسلمانوں میں بھی یہ چیزیں پھیل سکتی ہیں۔[1]

امام ابن قیمؒ کہتے ہیں کہ ذمی کھلے عام فحش کاموں کا ارتکاب کریں، مثال کے طور پر زنا اور لواطت جیسے اعمال یا وہ سودی کاروبار کرنے لگیں تو انہیں اس سے باز رکھا جائے گا۔ اس لیے کہ نکاح کی طرح یہ ان کا ذاتی معاملہ نہیں ہے، بلکہ اس کا اثر پورے معاشرہ پر پڑ سکتا ہے، اس لیے اس کی انہیں اجازت نہ ہوگی۔[2]

اس معاملہ میں احناف کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ بیوع، تجارت، لین دین کے معاملات اور وراثت وغیرہ میں ذمی اسلامی احکام کے پابند ہوں گے، البتہ انہیں شراب اور خنزیر کی خرید و فروخت کی اجازت ہوگی۔ اس لیے کہ یہ ان کے ساتھ معاہدہ میں شامل ہے، لیکن مسلمانوں کی طرح انہیں بھی زنا اور بدکاریوں کی اجازت نہ ہوگی، ان کے جو نکاح پہلے ہو چکے ہیں ان سے تعرض نہیں کیا جائے گا، لیکن اگر وہ ہماری طرف رجوع کریں تو اسلامی قانون کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔[3]

علامہ ابو بکر جصاصؒ نے زیادہ تفصیل سے اس پر گفتگو کی ہے۔ فرماتے ہیں:

''احناف کی رائے یہ ہے کہ بیع (خرید و فروخت) وراثت اور تمام کاروباری معاہدوں میں مسلمانوں کی طرح ذمی بھی احکامِ اسلام کے پابند ہوں گے، البتہ انہیں اپنے درمیان شراب اور خنزیر کی خرید و فروخت کی اجازت ہوگی۔ اس لیے کہ ان کے نزدیک یہ چیزیں مال شمار ہوتی ہیں، اگر ان کی خرید و فروخت، اس میں تصرف اور اس

---

1. قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، جلد ۳، جزء ۶، ص: ۱۲۱

2. ابن قیم، احکام أہل الذمۃ: ۷۶۵/۲

3. آلوسی، روح المعانی: جلد ۳، جزء ۶، ص: ۳۰۰، دار الکتب العلمیۃ لبنان ۱۹۹۴ء

سے انتفاع ان کے لیے جائز نہ ہو تو یہ چیزیں ان کے لیے مال نہ ہوں گی۔ اگر کوئی انہیں ختم کر دے تو اس پر تاوان لازم نہ آئے گا، حالاں کہ اس بارے میں، ہمارے علم کی حد تک، فقہاء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اگر کوئی شخص ذمی کی شراب ختم کر دے تو اس کی قیمت اسے ادا کرنی ہوگی، چناں چہ یہی بات حضرت عمرؓ نے اپنے گورنروں کو لکھی تھی کہ ذمیوں کو ان چیزوں کی خرید و فروخت کی اجازت دی جائے، اس سے جو منافع انہیں حاصل ہوں اس سے عُشر (زمین کا ٹیکس) لیا جائے، ان کے علاوہ باقی معاملات میں وہ ہمارے احکام کے پابند ہوں گے۔[۱] جہاں تک ان کے ازدواجی رشتوں اور نکاح کا تعلق ہے، امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس معاملہ میں ان سے تعرض نہیں کیا جائے گا، ہاں زوجین کسی معاملہ میں ہمارا فیصلہ چاہیں تو ہم اپنے قانون کے تحت فیصلہ کریں گے، لیکن اگر دونوں میں سے کوئی ایک اس کے لیے آمادہ نہ ہو تو ہم فیصلہ نہیں کریں گے۔[۲]

امام ابو حنیفہؒ کی اپنے مسلک کے حق میں دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہجر (بحرین) کے مجوس سے جزیہ لیا، حالاں کہ یہ بات آپ کے علم میں تھی کہ وہ محرمات سے نکاح کو جائز سمجھتے ہیں، آپ نے اس طرح کے رشتوں کے درمیان تفریق کا حکم نہیں دیا، اسی طرح یہود و نصاریٰ بہت سے ان رشتوں کو حلال تصور کرتے ہیں جو ہمارے نزدیک حرام ہیں، آپ نے اہلِ نجران اور وادی قریٰ کے لوگوں کو ذمی بنایا اور ان سے جزیہ لیا، لیکن ان کے ان رشتوں کو ختم کرنے کا حکم نہیں دیا۔

آپ نے ان کے ان رشتوں کو بھی باقی رکھا اور انہیں اپنے مذہب اور عقیدہ پر بھی قائم رہنے دیا، حالاں کہ وہ ہمارے نقطۂ نظر سے فاسد اور باطل ہے، اسی طرح حضرت عمرؓ نے عراق کو فتح کرنے کے بعد وہاں کے باشندوں کے ازدواجی رشتوں کو

---

۱ جصاص، اُحکام القرآن: ۲/۵۴۲، ۵۴۳

۲ ایک جزوی مسئلہ یہ ہے کہ اگر بغیر گواہوں کے یا زمانۂ عدت میں ان کا نکاح ہوگیا ہے تو تفریق نہیں کرائی جائے گی۔

باقی رکھا، یہ بات ثابت نہیں ہے کہ محرمات سے ان کے جو رشتے ہو گئے تھے ان کے درمیان تفریق کرائی ہو۔ حضرت عمرؓ کے بعد امت کا ہمیشہ اس پر عمل رہا ہے اور اسی کو اس نے اپنایا ہے۔[۳]

اس سے دو باتیں بالکل واضح ہیں:

۱۔ اسلامی ریاست میں اسلامی قانون کی حیثیت ملکی قانون کی ہوگی۔ ریاست کا ہر شہری، مسلمان ہو یا غیر مسلم (ذمی) اس کا پابند ہوگا، اسی کے مطابق ان کے معاملات طے ہوں گے، حدود و تعزیرات بھی نافذ ہوں گی۔ (فقہاء احناف کے نزدیک شادی شدہ غیر مسلم کو زنا کے ارتکاب پر رجم کی سزا نہیں دی جائے گی۔ اس پر بحث آئندہ آئے گی)

۲۔ نکاح اور ازدواجی تعلق کے معاملہ میں ذمی اسلامی قانون کے پابند نہیں ہیں۔ وہ اپنے مذہب اور طریقہ پر عمل کر سکتے ہیں۔ ہاں اگر وہ ان امور میں اسلامی ریاست کی طرف رجوع کریں تو اسلامی قانون کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا (احناف کے ہاں فیصلہ کرنا ضروری ہے)

بعض فقہاء کے ہاں ذمیوں کو اس سے زیادہ حقوق اور اختیارات دیے گئے ہیں۔ وہ یہ کہ ذمی اگر ہماری طرف رجوع بھی کریں تو فیصلہ کرنا ضروری نہیں ہے، اسے ان کے مذہبی رہنماؤں کے حوالہ کیا جاسکتا ہے، چناں چہ ابن خویز منداد کے حوالے سے علامہ قرطبی مالکیؒ کہتے ہیں:

"ذمی اگر ایک دوسرے کے خلاف شکایت کریں اور مدد طلب کریں تو حاکم انہیں عدالت میں طلب نہیں کرے گا، (بلکہ انہیں اپنے معاملات خود طے کرنے کے لیے کہے گا) وہ اپنے مذہبی امور میں ہمارے قانون کے پابند نہیں ہیں، انہیں اس کا پابند بنانے میں ایک تو ان کے مذہبی امور کے نگرانوں اور حکام کا نقصان ہوگا اور دوسرے یہ

---

[۱] ایک جزوی مسئلہ یہ ہے کہ اگر بغیر گواہوں کے یا زمانۂ عدت میں ان کا نکاح ہو گیا ہے تو تفریق نہیں کرائی جائے گی۔

کہ یہ ان کے مذہب میں ترمیم ہوگی۔ ان معاملات میں اگر وہ ہمارا فیصلہ قبول کرنے کے لیے تیار ہوں تو بھی حاکم کو فیصلہ کرنے یا نہ کرنے کا بہر حال اختیار رہے گا، البتہ وہ جب فیصلہ کرے گا تو اسلامی قانون کے مطابق کرے گا''[1]

بعض فقہاء نے اس معاملہ میں ذمیوں کے مذہبی رہنماؤں کے اتفاق کو بھی ضروری قرار دیا ہے۔ علامہ ابو حیان اندلسیؒ کہتے ہیں:

''فَاِنْ جَاءُوکَ فَاحْکُمْ بَیْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ کے الفاظ بظاہر اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ دعویٰ کرنے والے دونوں فریق حاکم کے پاس آئیں اور اس کے فیصلے پر رضامندی ظاہر کریں تو فیصلہ کیا جاسکتا ہے، فیصلہ کے لیے یہ بات کافی ہے۔ لیکن ابن قاسمؒ کہتے ہیں کہ اس کے ساتھ ان کے مذہبی رہنماؤں کا بھی اس کے لیے آمادہ ہونا ضروری ہے، اگر مذہبی رہنما راضی ہوجائیں اور فریقین راضی نہ ہوں، یا فریقین راضی ہوں اور مذہبی راہنما راضی نہ ہوں تو حاکم کے لیے فیصلہ کرنا صحیح نہ ہوگا''[2]

اس سے واضح ہے کہ اسلامی ریاست میں ذمیوں پر بھی اسلامی قانون نافذ ہوگا۔ لیکن انہیں اپنے پرسنل لا پر عمل کی آزادی ہوگی، اس میں ان کے مذہبی رہنماؤں کو بھی خاص اختیارات دیے جاسکتے ہیں، اس کے لیے ریاست قانون وضع کرسکتی ہے۔

---

[1] قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، جلد۳، جزء ۶، ص:۱۲۱

[2] ابو حیان اندلسی، البحر المحیط، ۵۰۲/۳